© rasailojaraid.com

نظریۂ ارتقاء اور دانشورانِ اسلام

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

قرآن اور نظریۂ ارتقا میں تطبیق ممکن نہیں

اسلام کے علاوہ دیگر آسمانی مذاہب اس خاکدانِ عالم میں ایک خالق و مدبرِ ہستی کے وجود کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عالمِ انسانی کے اولین فردِ بشر حضرت آدم علیہ السلام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تخلیقِ خصوصی کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ مگر چونکہ یہ عقیدہ نظریۂ ارتقاء سے میل نہیں کھاتا بلکہ اس کی ضد سمجھا جاتا ہے اس لئے بعض روشن خیال "مفکرین" نے ان دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش اس طرح کی کہ نظریۂ ارتقاء کو تو جوں کا توں قبول کر لیا تاکہ نام نہاد اہلِ علم کی مخالفت نہ ہو، مگر مذہبی عقائد کی تاویل کرنی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کے واضح نصوص تک کو اپنی من مانی تاویلات کے ذریعہ بدل ڈالنے میں بھی کسی قسم کی قباحت محسوس نہیں کی، کیونکہ یہی ایک سستا کام ہے۔ گویا کہ ان کی نظر میں قرآن تک میں دور از کار تاویل بلکہ تحریف ہو سکتی ہے مگر نام نہاد دانشورانِ علم کے اقوال یا ان کے نظریات میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ یہ بات اچھی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم ہے کہ نظریۂ ارتقاء اور اس قسم کے دیگر نظریات محض مذہب دشمنی کی خاطر فروغ دئے گئے ہیں اور ان میں سائنٹسٹوں سے زیادہ ملحدین اور مادہ پرستها (اشتراکیوں، یہودیوں اور ان کی خفیہ تنظیموں صیہونیت اور ماسونیت) وغیرہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے جنھوں نے دنیا میں نزاج پھیلانے اور اپنے قومی اغراض و مقاصد کو بروئے کار لانے کی غرض سے نہایت درجہ منظم طور پر اس نظریہ کی تبلیغ کی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

اس لحاظ سے یہ ایک حیرت انگیز ہے کہ وہ نظریہ — بلکہ ایک مفروضہ — جو مذہب دشمنی کو فروغ دینے کی غرض سے اختیار کیا گیا تھا، اسی کو بعض "نادان دوست" — عین اسلام اور عین قرآن قرار دینے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائے۔

عقل بسوزد زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تخلیق آدم اور نظریۂ ارتقاء دونوں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے البتہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں جس اولین بشر یعنی حضرت آدمؑ کی تخلیق خصوصی کا ذکر جس انداز میں — صاف اور صریح بیّنات کے ساتھ — کیا گیا ہے اور صحیح احادیث میں جس طرح اس واقعہ کی شرح و تفسیر کی گئی ہے اس کے بپیش نظر نظریۂ ارتقا ایک غلط اور خود ساختہ نظریہ قرار پاتا ہے، جو آج محض ایک نظریہ نہیں رہا بلکہ ایک اچھے خاصے "عقیدے" کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریۂ ارتقاء کو صحیح ماننے کا مطلب صراحتاً قرآن اور اسلام کا انکار ہے۔ ان دونوں میں جمع و تطبیق نہیں ہو سکتی۔ لہذا ہر شخص کو فکری اعتبار سے آزادی حاصل ہے کہ وہ دلائل و براہین کی رو سے جو بھی نظریہ اختیار کرے ان دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے کسی ایک ہی کو اختیار کرے۔ دونوں کو بیک وقت صحیح ماننا علمی اعتبار سے ایک زبردست قسم کا تعارض و تضاد بلکہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ خدا اور صنم دونوں کو بیک وقت خوش نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو خوش کرنا پڑے گا۔

مگر واقعہ کے لحاظ سے تو یہاں پر خود ارتقا بھی ثابت نہیں ہے، جیسا کہ پچھلے ابواب کے مباحث سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریہ علمی و شرعی دونوں حیثیتوں سے غلط اور باطل ہے۔ قرآن اور حدیث کے تمام بیانات دلیل ناطق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوعِ بشری کے جس اولین فرد کو اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا تھا وہ ابو البشر آدم تھا، جیسا کہ تفصیل اگلے ابواب میں آ رہی ہے۔

قرآن کے تمثیل ہونے کا قصہ

واقعہ یہ ہے کہ بعض مسلم علماء اور دانشوروں نے جو عموماً فکر مغرب کے خوشہ چیں یا اس سے مرعوب و متاثر تھے، دانستہ یا نادانستہ طور پر وقت کے تمام "مقبول" نظریات کو اسلامی اور خالص قرآنی نظریات ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا خواہ وہ نظریات حقیقتاً اس سے ٹکراتے ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اس باب میں بعض راسخ العقیدہ علماء بھی مغرب کے فن پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ روشن خیالوں کے نزدیک قرآن فہمی کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ جو قرآنی آیات و نصوص (واضح بیانات) صاف صاف جدید نظریات کے خلاف ہوں، ان کے متعلق صرف اتنا کہدیا جائے کہ یہ قرآن کا محض ایک "تمثیلی" انداز بیان ہے ورنہ اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے۔ بلکہ حقیقتاً قرآن کا منشا بالکل وہی ہے جس کا آج کل "علمی حلقوں" میں چرچا ہو رہا ہے۔ اگرچہ کہ قرآنی منشاء و مفہوم ـــــ صحیح قرآن فہمی کی رو سے ـــــ جدید رجحانات سے کتنا ہی مختلف کیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو۔ یہ گویا کہ ایک ایسی "چابی" ہے جس کے ذریعہ تجدد پسندوں کے سارے مسائل اور تمام مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلام یا قرآن کی کوئی خدمت نہیں بلکہ چند وقتی اغراض کی خاطر اسلام کو بدنام کرنا اور مذہبی حلقوں میں انتشار برپا کرنا ہے۔ قرآن فہمی کے لئے پہلے صحیح اصول تفسیر سے واقفیت ضروری ہے ورنہ فکری انتشار اور گمراہی سے چھٹکارا کبھی نہیں مل سکتا۔

غرض عصر جدید کے بعض ایسے ہی روشن فکر اہل علم نے آدم اور تخلیق آدم کے سلسلے میں یہی روش اختیار کی تاکہ نظریہ ارتقاء کو ایک خالص اسلامی نظریہ ثابت کیا جا سکے۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کئے جانے کا تذکرہ بالکل صاف اور صریح لفظوں میں قرآن مجید میں مذکور ہے جو نظریۂ ارتقاء کے بالکل خلاف ہے) اس لئے انھوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ قرآن تو یہ بات محض ایک تمثیلی روپ میں کہہ رہا ہے، ورنہ حقیقتاً کسی انسان کا مٹی سے پیدا کیا جانا ایک غیر واقعی اور غیر حقیقی بات ہے۔ بلکہ انھوں نے یہاں تک کہنے کی جسارت کر ڈالی کہ آدم نام کا کوئی شخص ——— اولین انسانی فرد کی حیثیت سے ——— سرے سے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو نوع بشری کا محض ایک تمثیلی نمائندہ تھا اور بس۔ بالفاظ دیگر نوع انسانی کی پوری جماعت کو آدم کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز صاحب تحریر کرتے ہیں:

"ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ "آدم" جن کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۲/۲۰) نہیں تھے۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصۂ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا۔ بالفاظ دیگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصۂ آدم کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود "آدمی" کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔"[1]

"آدم ایک فرد نہیں ہے۔ یہ فطرت انسانی کی سرگذشت ہے قصہ کے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس تمثیل میں آدم کا لفظ غالباً اس رعایت سے لایا گیا ہے کہ انسانی ہیئت اجتماعیہ کے اولین مراحل میں جن کا تعارف قرآن کریم نے کرایا ہے، آدم نامی کسی شخصیت کو ممتاز حیثیت حاصل تھی لیکن اس تمثیل میں اس شخص کی ذات مراد نہیں ہے۔"[2]

لیکن جہاں پر کسی قسم کی تاویل ممکن نہیں تھی وہاں پر جھٹ سے کہدیا کہ یہاں آدم سے مراد ابوالبشر نہیں بلکہ کوئی دوسرا آدم ہوگا۔ گویا کہ قرآن حکیم میں بیان ایک آدم کا نہیں بلکہ کئی "آدموں" کا ہوا ہے:

"بہر حال جس آدم کا ذکر سورۂ آل عمران کی مندرجہ بالا آیت ($\frac{3}{33}$) میں آیا ہے وہ "جنت سے نکلنے والے آدم" سے مختلف تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نبی ہوں (اور ان کا نام آدم ہو) قرآن نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا۔"[3]

"لیکن سورۂ آل عمران کی متذکرہ بالا آیت ($\frac{3}{33}$) میں چونکہ آدم کا ذکر نوح کے ساتھ آیا ہے اور دونوں کے لئے اصطفیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے

---

[1] لغات القرآن، مصنفہ غلام احمد پرویز، ۱/۲۱۴، ادارہ طلوع اسلام لاہور، ۱۹۶۰ء۔

[2] معارف القرآن، مصنفہ غلام احمد پرویز، ۲/۵۳، مطبوعہ دہلی، تاریخ اشاعت غیر مذکور۔

[3] لغات القرآن: ۱/۲۰۵، حوالۂ مذکور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گمان غالب ہے کہ یہ آدم نبی تھے۔ اگرچہ قرآن کریم میں اس کی تائید میں کوئی نص صریح موجود نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آدم کسی نبی کا نام بھی ہو۔" [لہ]

یہ ایک مکابرہ نہیں تو پھر کیا ہے، جس کی تاویل میں متجدد قسم کے لوگ اس قدر تذبذب کا شکار نظر آرہے ہیں؟ اس کو تو قرآن حکیم کے سامنے اپنی حیرانی و سرگردانی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم میں ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے آدم کا تذکرہ ہرگز موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ احادیث رسول کا تو پہلے ہی انکار کرچکے ہیں اور اب اس قسم کی اوٹ پٹانگ تاویلات کے ذریعہ قرآن کریم کا بھی انکار کرنے والے بن جائیں گے۔ گویا اس قسم کے لوگوں کا ایمان نہ تو قرآن پر ہے اور نہ حدیث رسول پر۔

یہ ہے عصر جدید کے تجدد پسندوں کا حال جو قرآن کریم کی اتباع کرنے کے بجائے قرآن کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس باب میں دور حاضر کے مسلم "مفکرین" کی اکثر و بیشتر روش یہی رہی ہے جو نظریۂ ارتقا کو ایک مرغوب اور دل پسند نظریہ تصور کرکے اس کے مطابق قرآن ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس باب میں سرسید احمد خاں اور شیخ محمد عبدہ نے نیچریت کی جوابتدا کی تھی تو اس میں اچھے اچھے اہل علم بشمول علامہ اقبال، اور ڈاکٹر رفیع الدین وغیرہ سب بہہ گئے ہیں، عنایت اللہ خاں مشرقی [ٰ] اور پرویز وغیرہ کا ذکر ہی کیا۔ تجدد یا انحراف کی یہ داستان بڑی ہی عبرتناک ہے۔ لہٰذا اس موقع پر اس کی تھوڑی سی تفصیل ناگزیر معلوم ہوتی ہے، تاکہ ہماری

[لہ] معارف القرآن: ۲/۵۲، حوالۂ مذکور

[ٰ] دیکھئے موصوف کی کتاب "تذکرہ" مطبع وکیل امرتسر، ۱۹۲۴ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملت کے سامنے اس کا ایک خاکہ آجائے۔

سرسید اور اعتزال جدید

واقعہ یہ ہے کہ عصر جدید میں تجدد و انحراف کا آغاز غالباً سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) کے ذریعہ ہوا ہے، جنھوں نے علوم جدیدہ سے روشناس کرانے کے سلسلے میں ہندستان میں مسلمانوں کا پہلا کالج قائم کرکے یقیناً ایک کارنامہ انجام دیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی انھیں اس بات کا بھی شدت کے ساتھ احساس تھا کہ ان علوم کی ترویج و اشاعت کے نتیجے میں اسلامی عقائد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اس کے تدارک کے لئے اسلامی تعلیمات کی نئے انداز میں تشریح ضروری ہے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنی ایک تقریر میں اس کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (تفصیل آگے آرہی ہے) لہٰذا اس ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے خود ہی انھوں نے "تفسیر القرآن" کے نام سے اردو میں ایک ناتمام تفسیر لکھی، جس میں اسلامی عقائد اور معجزات انبیاء وغیرہ کو "قانون فطرت" کے مطابق ثابت کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہوئے بہت سے حقائق و واقعات کا انکار کرڈالا۔

قصہ مختصر موصوف اپنی تفسیر میں حضرت آدمؑ سے متعلق سارے قصے کو ایک تمثیل قرار دیتے ہوئے اس قصے میں مذکور الفاظ اور کرداروں کی طرح طرح تاویلیں کی ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو قوائے ملکوتی اور شیطان کو قوائے بہیمی قرار دیا ہے[6]

"ابلیس اور ملائکہ سے کوئی خارجی وجود مراد نہیں لیا۔"[7]

---

[6] دیکھیے مقالات سرسید: ۸/۱۴، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۵ء۔

[7] موج کوثر، از شیخ محمد اکرام، ص ۱۵۹، لاہور، ۱۹۷۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آدم اور ملائکہ اور ابلیس کا قصہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے یہ کسی واقعہ واقعہ کی خبر نہیں ہے بلکہ یہ ایک تمثیل ہے جس کے پیرایہ میں انسان کی فطرت اور اس کے جذبات اور قوت بہیمیہ جو اس میں ودیعت کی گئی اس کی بُرائی یا دشمنی کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی مانند بھی متعدد تمثیلیں قرآن میں موجود ہیں۔" شہ

"شیطان یا ابلیس کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ہے اس سے کوئی وجود خارج عن الانسان مراد نہیں ہے۔ بلکہ خود انسان میں جو نفس امّارہ یا قوت بہیمیہ ہے وہ مراد ہے۔" شہ

مولانا حالی جو سرسید کے بہت بڑے رہنوا اور طرفدار تھے، سرسید کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

"وہ ملائکہ سے قوائے عالم اور شیطان سے انسان کی قوت بہیمیہ مراد لیتے ہیں۔ جِنّ کے وجود سے جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے، انکار کرتے ہیں۔" نلہ

"ملائکہ کے الفاظ جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں ان سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ کوئی جدا مخلوق انسان سے بالاتر ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ نے جو مختلف قوی اپنی قدرت کاملہ سے مادّے میں ودیعت کئے ہیں، جیسے پہاڑوں کی صلابت، پانی کا سیلان، درختوں کا نمو، برق کی قوت جذب و

شہ حیات جاوید، مصنفہ مولانا الطاف حسین حالی، ص ۵۲۴، ترقی اردو بورڈ نئی دلی، ۱۹۷۹ء

شہ ایضاً، ص ۵۲۵۔

نلہ ایضاً، ص ۵۳۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدفع و امثال ذالک، انھیں کو ملائک یا ملائکہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔"[11]

"قرآن سے جنات کا ایسا وجود جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہوائی آگ کے شعلہ سے پیدا ہوئے ہیں اور ان میں مرد و عورت دونوں ہوتے ہیں ...... ثابت نہیں ہوتا۔"[12]

"خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسماء و افعال سے متعلق جو کچھ قرآن یا حدیثوں میں بیان ہوا ہے وہ سب بطریق مجاز و استعارہ و تمثیل کے بیان ہوا ہے۔ اور اسی طرح معاد کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے، جیسے بعث و نشر، حساب و کتاب، میزان، صراط، جنت، دوزخ وغیرہ وغیرہ، وہ بھی سب مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر۔"[13]

بقول شیخ محمد اکرام، سرسید نے آیاتِ قرآنی کی تاویل میں معتزلہ کا طرز اختیار کیا ہے۔ چنانچہ موصوف تحریر کرتے ہیں:

"اس تفسیر میں سرسید نے قرآن کے تمام اندراجات کو عقل اور سائنس کے مطابق ثابت کیا ہے اور جہاں کہیں سائنس کی معلومات اور کلام مجید کے درمیان اختلاف معلوم ہوتا ہے وہاں معتزلہ طریقے کے مطابق آیات کی نئی تاویل اور تشریح کر کے اس اختلاف کو دور کیا ہے۔"

یہ بھی ایک مغالطہ ہے کہ سرسید کی تفسیر عقل اور سائنس کے مطابق ہے۔ جبکہ

---

[11] ایضاً، ص ۵۲۶۔

[12] ایضاً، ص ۵۲۹۔

[13] ایضاً، ص ۵۲۷۔

[14] موج کوثر، ص ۱۵۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیائے سائنس کو مافوق الطبیعی مظاہر کے اثبات یا نفی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ عقلی اعتبار سے ان مظاہر کا وجود ناممکن نہیں ہے ۔ انسان کے سا تو ابھی تک حقائق کی ایک دنیا باقی ہے جس کا اسے کھوج لگانا ہے اور خود کی دنیا میں ایسے بہت سے "اسرار" جن کی کنہ و حقیقت تک اس کی رسائی نہیں ہو ہے مگر یہ ایک الگ بحث ہے ۔

سرسید کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنی یہ ساری مہم ایک جدید علم کلام کی ضرورت کے تحت چلا رہے ہیں ۔ چنانچہ وہ خود ۱۸۷۶ء میں "مدرسۃ العلوم" کے طلبہ سے مخاطب ہو اپنی ایک تقریر کے دوران فرماتے ہیں :

"اس لئے اس زمانے میں ایک جدید علم کلام کی حاجت ہے جس سے یا تو ہم علوم جدیدہ کے مسائل کو باطل کر دیں ، یا مشتبہ ٹھہرادیں ، یا اسلامی مسائل کو ان کے مطابق کر دکھائیں ۔" [۱۵]

مگر افسوس کہ موصوف اپنے دعوے کے مطابق علوم جدیدہ کے مسائل کو باطل یا مشتبہ تو نہیں ٹھہرا سکے ، مگر ہاں قرآن کو توڑ مروڑ کر افکار جدیدہ سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش ضرور کر ڈالی ۔ حالانکہ کرنے کا کام اس کے برعکس یہ تھا کہ "نصوص قرآن" پر راسخ العقیدگی کے ساتھ ایمان رکھتے ہوئے افکار جدیدہ کو باطل یا مشتبہ ٹھہرا دیا جاتا اور یہ ضرورت آج بھی باقی ہے ۔ اور اس اعتبار سے آج ایک نئے غزالی ، ایک نئے رازی اور ایک نئے ابن تیمیہ کی ضرورت ہے ۔

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو جدید علوم و فنون سے روشناس کرانے کے سلسلے میں بلاشبہ زبردست اور تاریخ ساز خدمات انجام دی ہیں ، جن سے کسی کو انکار

---

[۱۵] حیات جاوید ، ص ۲۱۶ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ موصوف نے مشنریوں کے مقابلے اور بعض مستشرقین کے سیرت نبوی پر رکیک اعتراضات کے جواب میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور اس اعتبار سے انھیں ایک مخلص مسلمان ہی کہا جا سکتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اپنے حد درجہ اخلاص کے باوجود موصوف نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے اور جدید علم کلام کے نام سے "اعتزال جدید" کی بنیاد ڈالی ہے، جس کا اثر بعد والوں پر بہت دوررس واقع ہوا ہے۔ درحقیقت وہ اس منصب بلند کے اہل ہی نہیں تھے۔ چنانچہ موصوف کے معتقد اور ان کے سیرت نگار مولانا حالی تک نے صاف الفاظ میں اعتراف کر لیا ہے کہ "سرسید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں" [۱۶]

سرسید کی "تفسیر القرآن" کی اشاعت کا آغاز ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) سے ہوا ہے [۱۷] اور یہ غالباً عصر جدید کی پہلی "انحرافی" تفسیر تھی جس نے خصوصیت کے ساتھ برصغیر ہند و پاک کے اہل علم کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ اور بقول شیخ محمد اکرام "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے کئی اہم مسائل میں سرسید کی رائے اختیار کر لی ہے۔ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کی تفسیر قرآن بیشتر سرسید ہی کی ترجمان ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق سرسید کے جو عقائد تھے وہ مرزا غلام احمد نے اختیار کر لئے اور جیسا کہ نظام المشائخ میں ڈاکٹر محمد اسماعیل کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور بھی کئی مسلمان ان سے متفق ہو گئے ہیں۔" [۱۸]

---

[۱۶] حیات جاوید، ص ۲۲۰۔
[۱۷] ایضاً، ص ۴۸۷۔
[۱۸] موج کوثر، ص ۱۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ محمد عبدہ اور نظریۂ ارتقا

مصر کے مشہور عالم اور علامہ جمال الدین افغانی کے شاگرد شیخ محمد عبدہ (۱۸۴۹ء ـــ ۱۹۰۵ء) بھی سرسید سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ اور جیسا کہ اگلی سطور سے ظاہر ہوگا محمد عبدہ بھی سرسید کے خیالات سے واقف تھے۔ چنانچہ عددی اعتبار سے شیخ صاحب نہ صرف متاثر تھے بلکہ قصۂ آدم کے سلسلے میں تقریباً سرسید ہی کے خوشہ چیں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ شیخ صاحب عربی زبان کے عالم ہونے کی بنا پر "تاویل" اور "تمثیل" ذرا "باقاعدگی" کے ساتھ کرتے ہیں۔ غرض موصوف نے پہلے تو تخلیق آدم سے متعلق آیات کو خواہ مخواہ متشابہات میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے (وقد ذهب الأستاذ الى أن هذه الآيات من المتشابهات التي لا يمكن حملها على ظاهرها)[۱۹] پھر انھوں نے قصۂ آدم کو تمثیلی قرار دے کر اس کی دور از کار تاویلیں کی ہیں (والقصة على مذهبهم وردت مورد التمثيل لتقرب من أفهام الخلق ما تفيده هم معرفته من حال النشأة الآدمية)[۲۰]

عصر جدید کے انہی دو "پیشروان علم" کے خیالات کو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتبین نے پوری طرح اپنا لیا ہے۔ چنانچہ "آدم" کے عنوان پر اس میں جو مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ انہی دو بزرگوں کی تاویلات و تمثیلات سے بھرا ہوا ہے۔[۲۱]

---

۱۹ تفسیر المنار، مرتبہ شیخ رشید رضا: ۱/۲۵۱، مطبوعہ بیروت، طبع دوم۔

۲۰ ایضاً: ۱/۲۵۵

۲۱ دیکھیے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱/۲۴-۲۵، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۴ء۔

© rasailojaraid.com

مگر اس سلسلے میں ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ شیخ محمد عبدہ نے سرسید کے خیالات سے آگاہ ہو کر انھیں نیچری اور دہریہ قرار دیا تھا۔ اور اپنے رسالہ میں جو "العروۃ الوثقی" کے نام سے ۱۳۰۱ھ میں پیرس سے نکلنا شروع ہوا تھا، ایک مقالہ خاص اس موضوع پر "الدھریون فی الھند" کے عنوان سے سپرد قلم کیا تھا جس میں سرسید پر نہایت درجہ سخت اور تند لہجے میں تنقید کی تھی[22]۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ وہ خود بھی اس الزام سے بری نہیں ہیں۔ بلکہ بعض مواقع پر تو سرسید سے زیادہ نیچری دکھائی دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو شیخ صاحب کا سرسید پر الزام ایک عجوبہ سا لگتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے سرسید نے قصۂ آدم کو ایک تمثیل قرار دے کر اس کے بعض الفاظ کی اجمالی طور پر تاویل کی ہے۔ جبکہ شیخ صاحب نے اس کی تمثیلی تفسیر میں پورے چار صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں[23]۔ اس اعتبار سے ان دونوں میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ چنانچہ شیخ صاحب کی اس تمثیلی تفسیر کے بعض اقتباسات اردو دائرۂ معارف اسلامیہ سے نقل کئے جاتے ہیں:

جنت سے مراد آرام و راحت کی حالت مراد لینا صحیح ہے کیونکہ نعمتوں سے پر باغات میں انسان کو راحت و سکون ملنا یقینی ہے۔ یا اس سے مراد بے فکری اور خوشی کی کیفیت ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آدم سے ایک شخص نہیں تمام نوع انسانی مراد لی جائے۔ جیسے قبیلے کے باپ کے نام سے سارا قبیلہ مراد ہوتا ہے۔ [illegible] ممنوعہ سے مراد برائی اور ہٹ دھرمی کی جا سکتی ہے...... جنت [illegible] اور وہاں سے نکل جانے کے حکم سے مراد امر تکوینی ہو سکتا ہے۔

---

[22] [illegible] العروۃ الوثقی (مجموعۂ مقالات) ص [illegible] مطبوعہ [illegible] ۱۹۲۸ء

[23] [illegible] ۲۸۱ ـــ ۲۸۵ ـ

© rasailojaraid.com

یعنی ایسی بات جس کا ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اس بنا پر جنت میں رہنے کا اور پھر وہاں سے نکل جانے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اپنی پیدائش میں بہت سی حالتوں، زمانوں اور کیفیتوں میں سے گزرتا ہے جن میں سے پہلا زمانہ بچپن کا ہے، اس عمر میں رنج وغم پاس نہیں پھٹکتا اور کھیل کود کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ بچہ گویا ایک ایسے باغ میں ہے جہاں گھنے درخت، پختہ میوے سے لدے ہوئے، موجود ہیں، نہریں بہہ رہی ہیں، پرندے گا رہے ہیں۔ زوجہ کا ذکر اس لئے کیا کہ تمام نوع انسان اس حکم میں آجائے اور معلوم ہو جائے کہ بشریت کے اندر مذکر اور مؤنث سب برابر ہیں۔ آدم وحوا کو جنت میں رہنے کے حکم کا مطلب یہ ہوا کہ نوع انسان میں مذکر و مؤنث سب ایک حالت میں ہیں ...... شیطان کے وسوسے اور اُس کے بہکانے کا مطلب یہ ہے کہ خبیث روح جو انسان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اسے برائی کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان بالطبع خیر کی طرف مائل ہے، بُرائی کی طرف جاتا ہے تو دوسروں کے بہکانے سے جاتا ہے۔ جنت سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان فطرت کے قاعدے توڑ کر مشقت اور محنت میں پھنس جاتا ہے۔ آدم کی توبہ اور استغفار سے اشارہ اس طرف ہے کہ انسان اپنی فطرتِ سلیمہ کی بابت بُرے کاموں سے بُرے نتیجے پیدا ہونے کا خوف رکھتا ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے کہ وہ ان بُرے نتائج سے اُسے بچا لے .... خلاصۂ کلام یہ کہ انسان کی فطری حالتیں تین ہیں: اول، بچپن کا زمانہ اور یہ خوشی اور راحت اور بے فکری کا زمانہ ہے۔ دوسرے بھلے اور بُرے میں کسی قدر تمیز کا زمانہ۔ اس زمانے میں وہ شیطان کے وسوسے سے خواہشوں کے جنجال میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھنس سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک زمانہ عقل اور ہوش کے کامل ہونے کا آتا ہے۔ اس میں وہ اپنے افعال کے نتائج کا خیال کرتا ہے اور بُرے کاموں سے بچنا چاہتا ہے اور جب اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے تو عالم الغیب والشہادۃ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہی حالتیں ہیں جو فرد پر گزرتی ہیں......"[۲۴]

اس طرح دونوں نے دور از کار تاویلات کے سلسلے میں یکساں قسم کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور جس طرح سرسید نے فرشتوں کو "قوائے ملکوتی" اور "قوائے مادی" کہا ہے بالکل اسی طرح شیخ صاحب نے بھی "انھیں" "قوائے طبیعی" یعنی NATURAL FORCES کے نام سے موسوم کرنے کی جسارت کر ڈالی ہے۔[۲۵]

اب نہیں معلوم کہ شیخ صاحب کے نزدیک "نیچریت" کا مفہوم آخر کیا تھا؟ محمد عبدہٗ کا دعویٰ تھا کہ وہ سلف و خلف دونوں کے مذاق کے مطابق تفسیر کرنا پسند کرتے ہیں[۲۶] چنانچہ اس مذاق کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ وہ کبھی اِس طرف ہو جاتے ہیں اور کبھی اُس طرف۔ تاکہ دونوں طبقوں کو مطمئن اور راضی رکھا جا سکے۔ بالفاظ دیگر ع

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

غرض ان دونوں کی تفسیر اور ان کے خیالات نے امت اسلامیہ میں "تاویل"

---

۲۴ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۲۴/۱-۲۵، ۱۹۶۴ء

۲۵ دیکھیے تفسیر المنار: ۲۶۷/۱-۲۶۸۔

۲۶ ایضاً: ۲۵۲/۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور "ارتیابیت" کا دروازہ چوپٹ کھول دیا ہے۔ اور اس بنا پر اب جس کے جی میں جو آیا وہ لکھنے لگا ہے۔ خصوصاً مصری علماء شیخ محمد عبدہ کے خیالات سے بُری طرح متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ خاص کر ان کے اس موقف سے کہ تخلیق آدم سے متعلق قرآن کی ظاہری آیات علم انسانی پر صرف اسی وقت تک مقدم رہیں گی جب تک کہ علم انسانی قطعیت کا درجہ حاصل نہ کرلے۔ اُن کی اصل عبارت یہ ہے:

"فظواھر الآیات فی خلق آدم مثلاً مقدم فی الاعتقاد علی النظریات المخالفة لہا من اقوال الباحثین فی اسرار الخلق وتعلیل أطوارہ و نظامہ ما دامت ظنیة لم تبلغ درجة القطع"[۲۷]

(باقی)

---

[۲۷] تفسیر المنار: ۱/۲۵۲

© rasailojaraid.com